مولانا محمد عیسیٰ منصوری

چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم (لندن)

مغرب کا فکری چیلنج اور علماء کرام کی ذمہ داری

موجودہ دور میں یوں تو عالم اسلام کو بے شمار مسائل در پیش ہیں مگر غور کیا جائے تو ان تمام مسائل کی جڑ اور اصل ہدف ایک ہے اور ہے مسلمانوں کا فکری طور پر مغرب سے مغلوب ہو جانا۔ حقیقت یہ ہے کہ مغرب گزشتہ دو صدیوں سے پوری دنیا پر نظریاتی و فکری طور پر حاوی و غالب ہو چکا ہے فکری و نظریاتی غلبہ نے اسے عالمی طور پر سیاسی، تہذیبی، فکری ہی نہیں بلکہ ہر نوع کا غلبہ و سربلندی عطا کر دیا ہے۔ چونکہ انسان کے تمام انفرادی و اجتماعی مسائل اور ان کے حل کے لئے اولین اساس و بنیاد اس کا نظریہ و فکر ہی ہوتا ہے یعنی وہ کسی نظریہ سے اپنے مسائل کو دیکھتا اور ان کا حل چاہتا ہے۔ خدا پرستی کی راہ سے یا مادہ پرستی کی راہ سے اگر وہ خدا، آخرت اور رسالت کا قائل ہے تو اس کا ذہن مسائل کو ایک خاص زاویے سے دیکھے گا جسے ہم ایمانی زاویہ کہہ سکتے ہیں، اور وہ اپنے تمام مسائل کا حل اسی عقیدے اور ایمان کی روشنی میں دریافت کرے گا۔ اور اگر وہ ظاہری آنکھوں سے نظر آنے والی اس مادی دنیا کے ماوریٰ کسی حقیقت کا قائل نہیں تو اس کی سوچ و فکر اور مسائل کے حل کا راستہ بالکل علیحدہ ہوگا موجودہ دور میں اس کا نام سیکولر طرز فکر ہے بیسویں صدی کا مغرب جس نظریہ و فکر کا علمبردار ہے اور اس کا پرجوش داعی ہے وہ یہی مادی نظریہ و فکر ہے جس کی بنیاد خدا و آخرت فراموشی پر ہے مغرب کے اس فکر و نظریہ کی جڑیں اس کی تاریخ کلچر و تمدن میں پیوست ہیں۔

یورپ کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہاں کے عوام ہزارہا سال سے ظلم و قہر کی چکی میں پیسے جاتے رہے۔ ان کا استحصال کرنے میں یہاں کے حکمرانوں اور مذہبی طبقہ میں شراکت داری رہی۔ یورپ کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ دونوں طبقے ہمیشہ عوام کے استحصال میں شامل رہے سولہویں صدی عیسوی میں جب یہاں کے عوام بیدار ہونا شروع ہوئے اور یہاں علم و سائنس کا دور شروع ہوا تو مغرب کے ظالمانہ استحصالی نظام کے یہ ان دونوں شراکت دار یعنی حکمران اور مذہبی رہنما اسے اپنے مفادات کے خلاف سمجھ کر علم و سائنس کی مخالفت میں کمربستہ ہوگئے اور انہوں نے ظلم و جبر اور لرزہ خیز مظالم کے ذریعہ علم و سائنس کی راہ روکنی چاہی اس کے لئے انہوں نے احتساب کی عدالتیں قائم کیں اور خالصتاً علمی و سائنسی

نظریات کی بناء پر تیس ہزار انسانوں کو زندہ جلایا گیا اور تین لاکھ کے قریب علم و تحقیق کے متوالوں کو اذیت ناک سزائیں دی گئیں۔ یورپ میں مذہب و سائنس کی یہ خونریز کشمکش تقریباً چار سو سال تک جاری رہی بالآخر علم اور سائنس کو فتح ہوئی اور مذہب نے شکست کھائی اس کشمکش میں مذہبی گرو یعنی مقدس پوپ اور پادریوں کا رول انتہائی گھناؤنا بدبختانہ اور علم دشمنی کا رہا انہوں نے عوام کے بجائے شہنشاہوں اور جاگیرداروں کا اور علم کے بجائے جہالت کا ساتھ دیا مذہبی طبقہ اس ناعاقبت اندیشانہ رویہ کی وجہ سے یورپ کے عوام کے دلوں میں حکمرانوں اور جاگیرداروں کے ساتھ ساتھ نفس مذہب کے خلاف بھی نفرت و بغض جاگزیں ہو گیا۔ چرچ کے یہ وہی مظالم ہیں جن کی معافی آج پوپ مغربی عوام سے مانگ رہے ہیں اس طویل کشمکش کے نتیجہ میں مذہب کو سائنس اور علم کے مقابل جو ہزیمت و شکست اٹھانی پڑی اس نے مذہب کے متعلق نقطہ نظر یکسر تبدیل کر دیا اب مغرب میں یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ مذہب انسان کا نجی (پرائیویٹ) معاملہ ہے اور اس کا دائرہ کار محض عقائد اور عبادات تک محدود ہے۔ یعنی نجی طور پر انسان جو چاہے عقیدہ رکھے اور جس طرح چاہے پوجا پاٹ کرے۔ مذہب کی عملداری چرچ تک محدود کر دی گئی اور یہ طے کر دیا گیا کہ چرچ کے باہر انسان کے تمام انفرادی و اجتماعی مسائل و معاملات سب عقل سے طے ہوں گے خواہ وہ سیاسی، معاشی، تعلیمی، معاشرتی، تمدنی ہوں یا نظم و نسق و قانون سے متعلق ہوں مذہب کو ان میں مداخلت کی اجازت نہیں مذہب کو زندگی کے اہم اور اجتماعی مسائل سے بے دخل کر دینے کی اس فکر کا نام سیکولرازم ہے جس پر تقریباً گزشتہ چار سو سال سے مغرب گامزن ہے بیسویں صدی میں عالمی بساط پر بھی مذہب کو زندگی کے عملی مسائل سے بے دخل کرنے کے بعد مغرب نے اپنی اس سیکولر فکر کو پوری دنیا میں بالادستی جاری کرنے کو اپنا ہدف اور نصب العین بنا لیا ہے کیونکہ دنیا میں سیکولر فکر کے حاوی کرنے کے پس پردہ مغرب کو باقی دنیا پر فکری بالادستی کے ساتھ اسے علمی، سیاسی، معاشی غلبہ از خود حاصل ہو جاتا ہے فکری غلبہ اقوام عالم کے دل و دماغ پر کنٹرول کا سب سے آسان اور بے خطا نسخہ ہے اسے مغرب نے دنیا بھر میں سیکولر فکر اور اپنے تمدن کے نفاذ کو انا کا مسئلہ بنا لیا ہے جس طرح ایک مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کرتا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد اب دنیائے انسانیت کی دنیوی و اخروی فلاح صرف آپ ﷺ کی اتباع میں ہے اور ایک مسلمان کی زندگی کا بنیادی مقصد ہی اسلام کے اس فکر و نظریہ (توحید رسالت) کو غالب و حاوی کرنا ہے بالکل اسی طرح مغرب اپنے سیکولر نظریہ و فکر کو ایک نظام زندگی ہی نہیں بلکہ مقصود قرار دیتا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ انسانی فلاح و بہبود کے لئے عقل انسانی جو بہت بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ نظام وضع کر سکتی تھی وہ مغرب نے سیکولر فکر اور نظام حیات کی صورت میں دنیا کو پیش

کردیا ہے۔اب سیکولرزم کے ذریعہ انسانی عقل اور فکر کی تکمیل ہو گئی ہے لہذا اب دنیا کی تقدیر سیکولرزم سے وابستہ ہے دنیا کی جو قوم یا ملک مغرب کے پیش کردہ اس نظام فکر وحیات سے گریز کرے گا مغرب کا اس کے ساتھ اعلان جہاد ہے اور مغرب اس سے دنیا میں باعزت جینے کا حق بھی چھین لے گا۔

آپ پڑھ آئے ہیں کہ مغرب کے اس فکر و نظریہ کی بنیاد مذہب دشمنی پر رکھی گئی ہے' اس لئے مذہب سے بغض و عداوت گویا اس فکر کے خمیر میں داخل ہے۔لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد وقتی طور پر مغرب کا ایک اور حریف میدان میں آگیا تھا وہ تھا کارل مارکس کا معاشی نظریہ' یہ فکر نہ صرف سیاسی و معاشی طور پر مغربی نظامِ فکر کی حریف تھی بلکہ دنیا پر تسلط و غلبہ حاصل کرنے کی دوڑ میں بھی مغرب و مغربیت کا دعویدار حریف بن گیا تھا اور اس کی زد براہ راست مغرب کے سرمایہ دارانہ معاشی نظام پر پڑتی تھی۔اس لئے دوسری جنگ عظیم کے بعد وقتی طور پر بظاہر روس اور اس کا نظریہ اشتراکیت مغرب کا اصل حریف نظر آنے لگا تھا مگر روس کی شکست و ریخت اور کیمونزم کے فلسفے کی ناکامی کے ساتھ ساتھ اب مغرب کا واحد حریف اسلام رہ گیا ہے۔چنانچہ گزشتہ دنوں مغرب کی متحدہ فوجی کمان نیٹو کے سربراہ سے ایک صحافی نے جب پوچھا کہ کیمونسٹ بلاک (وارسا پیکٹ ممالک) کی شکست کے بعد اب نیٹو کی کیا ضرورت ہے تو اس نے بے ساختہ کہا ابھی اسلام باقی ہے۔گزشتہ صدیوں کے تجربات کے نتیجہ میں مغرب اس حقیقت کو پا گیا ہے کہ مذاہب عالم میں سے صرف اسلام ہی سے اس کے نظام فکر اور تمدن کو خطرہ لاحق ہے اس لئے مغربی سیاست دان و حکمران ہی نہیں مغرب کے مفکرین دانشور و اسکالرز شعوری طور پر اپنے نظام فکر و تمدن کے تحفظ کے لئے اسلام کے خلاف طبل جنگ بجا چکے ہیں دوسری جانب مسلمانوں کے حکمرانوں اور دانشوروں کو چھوڑیئے علماء کرام اس فکر جنگ کا کماحقہ ادراک نہیں رکھتے بلکہ وہ اب تک اپنی ناواقفیت و سادگی سے سیکولر فکر کو بحیثیت اسلام کے مقابل و متصادم نظریہ فکر سمجھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ وہ اپنی سادگی سے اس فکر کے سیاسی پہلو یعنی ڈیماکریسی کو عین اسلام قرار دینے لگے ہیں اسلام کا سیاسی نظام بھی شورائی خلافت کے الفاظ تک ان کی زبان و قلم سے غائب ہو گئے ہیں۔اب طبقہ علماء کا مطالبہ بھی اپنے اپنے ممالک میں مغربی جمہوریت کی بحالی کا ہے جبکہ مغربی ڈیماکریسی اور اسلام کا سیاسی نظام (شورائی خلافت) ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ایک میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں دوسرے میں خداوند تعالیٰ' ایک میں قانون سازی کے جملہ اختیارات عوام کو حاصل ہیں دوسرے میں اللہ تعالیٰ کو۔

ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ہر دور کا ایک علم کلام اور اسلوب ہوتا ہے وقت اور زمانہ کے ساتھ ساتھ طرز کلام اور تعبیر میں تبدیلی آتی رہتی ہے آج سے چودہ سو سال پہلے دور نبوت میں

فکر و نظریہ کے الفاظ مستعمل نہیں تھے بلکہ اس دور میں اس کو ایمان (عقیدہ) کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ پیغمبر اسلام اور آپ کے اصحاب کرامؓ کی زندگی کا مشن و مقصد ہی انسانوں کے عقیدہ و ایمان کی تبدیلی تھا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو آپ ﷺ کی دعوت و جہاد کا مقصد انسانوں کا عقیدہ و فکر تبدیل کرنا تھا ان کے دلوں میں توحید و رسالت کے بنیادی عقیدہ کو پیوست کرنا تھا ان دونوں عقیدوں یا نظریات کو نہایت جامع طور پر کلمہ شہادت میں سمو دیا گیا ہے اس وقت جب کوئی انسان کلمہ شہادت کا اقرار کر کے ان دونوں بنیادی عقائد کو تسلیم کر لیتا تو اس کے ساتھ ہی اس کی زندگی میں ایک عظیم فکری انقلاب رونما ہو جاتا اور وہ اپنی زندگی کے تمام تر مسائل کا حل اس کلمہ کی روشنی اور اس کی حدود کے اندر تلاش کرتا خواہ وہ مسائل سیاست سے تعلق رکھتے ہوں یا معاشیات سے وہ مسائل معاشرتی ہوں یا سماجی' ملکی ہوں یا بین الاقوامی غرض وہ اپنی حیات کے ہر ہر مسئلہ میں کلمہ شہادت کے اس بنیادی عقیدہ و فکر کے تابع رہ کر حل اور راہ عمل کا متلاشی ہوتا یہی نہیں کلمہ پڑھتے ہی اس کی انفرادی زندگی اس کا لباس' معاشرت' رہن سہن گفتگو و کلام تک اس بنیادی فکر (توحید و رسالت) کے تابع ہو جاتا پھر کسی مسئلہ میں اسے یہ یاد دلانے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ اس میں اس کے نظریہ (کلمہ شہادت) کی کیا رہنمائی و مطالبہ ہے بلکہ خود بخود یہ توحید و رسالت کا عقیدہ زندگی کے ہر مسئلہ میں اس کا رہنما بن جاتا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ جن جن علاقوں اور ملکوں کو فتح کرنے گئے وہاں کے لوگوں کے کلمہ کا اقرار کر لینے کے ساتھ ہی خود بخود ان کی زبان' رہن سہن' لباس' اخلاق و عادات ہی نہیں ان کی تجارت' معاشی نظام سیاست و تمدنی سب کچھ اس بنیادی فکر و نظریہ کے تابع ہو جاتا جس کا اقرار انہوں نے کلمہ شہادت میں کیا تھا اس لئے کہ وہ عقیدہ و نظریہ ہی کیا ہوا جب۔ زندگی اور اس کے تمام شعبے اس کی گرفت میں نہ آئیں مگر موجودہ دور میں شعوری طور پر اس فکر کا ادراک نہ کر سکنے کی وجہ سے مسلمان توحید و رسالت کے عقیدے کا اقرار بھی کرتا ہے اور اپنی زندگی مغرب کے نظام فکر اور تمدن کے تحت بھی گزارتا ہے اور اس کے دل میں ذرہ برابر کھٹک پیدا نہیں ہوتی کہ اس کی زندگی سے اس کے بنیادی عقیدہ و فکر کی تسلی تو نہیں ہو رہی؟ بلکہ وہ اپنے عقیدہ و ایمان کو زندگی کے تمام معاملات سے معرا و بے تعلق محض ایک مذہبی عقیدہ سمجھتا ہے جس طرح دنیا میں انسان بے شمار علمی و سائنسی حقائق کو مانتا ہے جیسے خلائی سیاروں کا وجود زمین کا گردش کرنا مگر ان حقائق کو تسلیم کرنے کے نتیجہ میں اسکی زندگی پر ذرہ برابر اثر نہیں پڑتا کیونکہ اس کا یہ ماننا مجرد حقائق کا علم ہے نہ کہ بنیادی نظریہ حیات جبکہ خدا کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا ماننا حقائق کا مجرد علم نہیں بلکہ فکر و نظر کا وہ بنیادی زاویہ ہے جس پر انسانی حیات کے تمام شعبوں کے رخ کے متعین ہونے کا مدار ہے اگر یہ فکر (عقیدہ توحید و رسالت) اس کی زندگی کے تمام شعبوں پر اثر انداز نہیں تو حقیقتاً اسکا ایمان و عقیدہ غیر معتبر

ہے یہ ایسا ہی ہے گویا اس نے نہ توحید کا اقرار کیا نہ رسالت کو تسلیم کیا جیسے قرآن حکیم نے اعلان فرمایا کہ

فلا وربك لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما (النساء)

پس آپ کے پروردگار کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپ کو اپنے تنازعات میں حکم تسلیم نہ کرلیں پھر اپنے دلوں میں آپ کے فیصلوں پر کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور انہیں پوری طرح تسلیم کریں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مغرب گزشتہ کئی صدیوں سے بھرپور تیاری کرکے علمی و فکری 'سیاسی و معاشی' تمدنی و معاشرتی غرض ہر محاذ پر تیاری کرکے اسلام پر حملہ آور ہوچکا ہے اور اس نے ساری دنیا میں اسلام کے خلاف سیاسی و عسکری ہی نہیں فکری و نظریاتی اور تمدنی جنگ چھیڑ دی ہے اس نے اسلام کے خلاف علمی طور پر تحقیقات و دلائل کے کوہ ہمالیہ کھڑے کردیئے ہیں اسلام کے نظام فکر ہی نہیں بلکہ معاشرت و تمدن کے تمام شعبوں کو چیلنج کررکھا ہے۔ جدید سائنس الیکٹرانک میڈیا کے ذریعہ پوری انسانیت کے دل و دماغ میں اسلام اور اسلام کے عطا کردہ عقائد افکار اور نظام حیات کے خلاف نفرت و تکدر بھر دیا ہے وہ کبھی عورتوں کے حقوق کے حوالے سے کبھی انسانی حقوق کے حوالے سے کبھی جہاد اور نظام خلافت کے حوالے سے اسلام پر یلغار و حملہ تیز کرتا جارہا ہے تاکہ اسلام کا نام لینا دہشت گردی 'انسانیت دشمنی اور جرم و گناہ کے مترادف بنادیا جائے مغرب کی یہ ساری جدوجہد اور تگ و دو اس لئے ہے کہ وہ اسلام کے نظریہ و فکر کی طاقت سے خوفزدہ ہے وہ خوب سمجھتا ہے کہ اسلام ایک فطرت اور انسانی طبائع کے عین موافق نظام حیات ہے جو اپنے اندر زبردست طاقت اور کشش رکھتا ہے اور نظریہ کو کاٹنے والی کوئی تلوار اب تک وجود میں نہ آسکی اسے خوف ہے کہ اگر اسلام اپنی صحیح حیثیت میں دنیا کے سامنے آگیا تو انسانی ضمیر و طبائع اسے ماننے پر خود کو مجبور پائیں گے اور کمیونزم کی طرح مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی غیر فطری عمارت ریت کی دیوار کی طرح زمین بوس ہوجائے گی اس حقیقی اندیشہ کے پیش نظر مغربی ذرائع ابلاغ دن رات اسلام دشمنی کے ایک قطبی محاذ پر سرگرم عمل ہیں اور یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ وہ اپنی جدوجہد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہے اس نے نہ صرف اقوام عالم کے ذہن و فکر پر بلکہ خود مسلمانوں کے فعال و سرکردہ طبقات جو کسی معاشرے کی کریم سمجھے جاسکتے ہیں اور جو بہت کچھ کرنے کی پوزیشن رکھتے ہیں یعنی ان کے حکمران 'افواج 'دانشور 'اسکالر اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے دل و دماغ پر کنٹرول حاصل کرلیا ہے اور انکو سیکولرزم 'ڈیماکریسی 'اوپن مارکیٹ اکانومی اور مغربی تہذیب و تمدن قائم کرنے کی ڈیوٹی و اہداف دے کر نہایت عیاری سے علماء کرام اور مذہبی طبقہ کے ساتھ محاذ آراء کردیا ہے

اب عالم اسلام میں صورت حال یہ ہے کہ مسلمان حکمران' افواج سیاست دان ان کے دانشور' اسکالر اور تعلیم یافتہ طبقہ اسلام کو زک پہچانے اسے اجتماعی شعبوں سے بے دخل کرنے اور سیکولر کے وسیع مفہوم کے مطابق مذہب کو مسجد تک محدود کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے۔ ہر مسلم ملک و معاشرے کے یہ موثر و فعال اور ذی اقتدار طبقات اسلام کے عملی نفاذ کو اپنے ملک و قوم کی بدبختی و تباہی سمجھنے لگے ہیں یہ لوگ خود کو مسلمان بھی کہتے ہیں اور مسلم معاشرہ اور نظام حیات کے اجتماعی شعبوں سے اسلام کے اثرات کو کھرچ پھینکنے اور مذہبی جماعتوں کو کچلنے میں اپنی اور اپنے ملک و معاشرہ کی بقاء و ترقی بھی سمجھتے ہیں ان کے ذہن پر مغربی افکار و نظریات اس طرح حاوی ہو چکے ہیں اور ان کے رگ و ریشہ میں مغربی تہذیب و معاشرت اس طرح رچ بس گئی ہے کہ اسلام کو اس دور میں ناقابل عمل اور خلاف عقل نظام سمجھنے لگے ہیں وہ اقرار کرتے ہیں کہ اسلام ایک اچھا مذہب ہے اور اس نے کسی زمانہ میں اچھا رول ادا کیا بہت سی معاشرتی خرابیوں اور برائیوں کو ختم کیا مگر اب اسلام کا رول ختم ہو چکا ہے موجودہ جدید ترقی یافتہ ماڈرن دور میں اسلام ناقابل عمل ہے آج اسلام میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرنا انسانی معاشرہ اور ترقی و تمدن کو یوٹرن کرنا اور اسے پیچھے پہنچانا ہے اسلام کے متعلق ہمارے ذی اقتدار طبقات اور نئی نسل کے اس منفی ذہن بننے کی بڑی وجہ مذہبی طبقہ کا اجتماعی مسائل سے بے تعلق ہو جانا اور عصری ضرورتوں اور مسائل کا صحیح ادراک اور ان کا حل پیش کرنے سے قاصر رہنا ہے اور اسلام کو ایک زندہ نظریہ حیات کے بجائے محض عقائد و عبادات اور رسوم کے مجموعہ کے طور پر پیش کرنا ہے ہماری مذہبی درس گاہوں میں صدیوں سے انسانی زندگی کے اجتماعی شعبوں اقتصادیات سیاست وغیرہ وغیرہ پر ریسرچ و تحقیق بحث و تمحیص اور علمی و فکری کام کا بند ہو جانا ہے۔

یہ ذمہ داری وارثانِ علوم نبوت کی تھی کہ ہر دور کے فکری و نظریاتی حملوں اور مغالطوں کا بروقت جواب دیتے مگر ہمارے علمی مراکز میں اب تک قرن اولی کے نظریاتی فرقوں کا رد ہو رہا ہے جن کا ہزار بارہ سو سال سے دنیا میں کوئی حقیقی وجود ہی نہیں یا دو ہزار سال قدیم و فرسودہ یونانی علوم و فلسفوں کے رد یا ان کی تشریح و تعبیر میں مگن ہیں انہیں عصر حاضر کے در پیش علمی و فکری مسائل پر توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں طبقہ علما' کے عصری افکار و نظریات سے ناواقفیت کی وجہ سے ان کے صحیح مقام و منزلت کو سخت نقصان پہنچا ہے۔ کیونکہ وہ ہم عصر اقوام کے مزاج و نفسیات ان کے نظریات و فکر اور ان کی جانب سے علمی و فکری حملوں اور ان کے اسلام کے خلاف عزائم و منصوبوں سے بڑی حد تک بے خبر رہتے ہیں۔ اکثر کی واقفیت اتنی سطحی ہوتی ہے جو فائدہ پہچانے کی بجائے مزید نقصان کا باعث بنتی ہے۔ مفکر اسلام حضرت سید ابو الحسن علی ندویؒ نے ایک بار علماء کرام کے مجمع کو خطاب فرماتے ہوئے یہ تاریخی جملہ

ارشاد فرمایا:

''بسا اوقات سطحی واقفیت عدم واقفیت سے زیادہ خطرناک اور مضر رساں ہوتی ہے۔''

تاریخ اس بات کی شہادت پیش کرتی ہے کہ اس کائنات میں ہمیشہ صرف وہی اقوام اپنی حیثیت منوا سکی ہیں اور فکری و نظریاتی طور پر اقوام عالم کے اذہان پر اثر انداز ہو سکی ہیں جن کی نظر اس تغیر پذیر دنیا اور بدلتے ہوئے حالات اور زمانہ کے تقاضوں پر اور جن کا ہاتھ زمانہ کی نبض پر ہو جو انسانی اذہان کو مثبت و محکم فکر دے سکیں نہ کہ گزشتہ صدیوں کی معلومات اور اسلاف کی ذہنی و فکری کاوشوں کے نتائج فکر کی نقل ہی کو علم و فکر کی معراج سمجھ لیں اور اپنی کوتاہی فکر اور کوتاہی ہمت سے مغرب کے پیش کردہ نظاموں میں جزوی طور پر اسلام کا پیوند لگا کر اپنے فرض سے بری الذمہ ہونے کا سہل راستہ نکالنا چاہیں ایسوں کے لئے اس کارگاہ عالم میں زمانہ کی امامت و قیادت کی کوئی جگہ نہیں

چند سال پہلے بنگلہ دیش میں پارلیمانی الیکشن کے موقع پر وہاں کے چند علماء نے بھارت کے ممتاز عالم دین و اسکالر مولانا مجاہد الاسلام قاسمی سے سوال کیا کہ کیا عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے؟ مولانا قاسمی کا جواب تھا آپ کے ملک میں یہ الیکشن اسلام کے نظام خلافت قائم کرنے کیلئے منعقد ہو رہے ہیں یا مغربی ڈیماکراسی کے لئے۔ اگر مغربی جمہوریت کے لئے ہو رہے ہیں تو ڈیماکریسی میں مرد عورت' مسلمان کافر' نکوکار' فاسق حتیٰ کہ قادیانی مرتد بھی سربراہ مملکت بن سکتا ہے۔ ہاں اگر الیکشن اسلامی نظام خلافت قائم کرنے کے لئے ہو رہے ہوں تب سربراہ مملکت کے لئے اسلام کی عائد کردہ شرائط دیکھی جائیں گی۔ اور ان میں ایک شرط مرد ہونا بھی ہے اس وقت آپ حضرات کا یہ سوال ہی بے محل ہے۔ انتخابات ہو رہے ہیں ملک میں مغربی ڈیماکریسی کے قیام کے لئے اور شرائط پوچھی جا رہی ہیں اسلام کے شورائی نظام خلافت کی راقم الحروف نے ایک بار بنگلہ دیش کے علمائے کرام کے مجمع سے عرض کیا تھوڑی دیر کے لئے تصور کیجئے کہ بنگلہ دیش کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں جہاں جہاں مسلمانوں کے سو گھر بستے ہوں سرور کائنات تشریف لے آئیں اور ملاحظہ فرمائیں کہ اس بستی کا نظام تعلیم سیکولر (لادینی) اور مالیاتی نظام اس بنیاد (سود) پر ہے کہ جس پر قرآن مجید نے اللہ و رسول سے اعلان جنگ کر رکھا ہے اور تمدنی نظام ان خطوط پر جو نئی نسل کو اسلامی تہذیب و قدروں سے دور اور کفر کے اقدار و کلچر سے قریب کرنے والا اور ذرائع ابلاغ (میڈیا) معاشرہ میں فحش و منکرات کو فروغ دینے والا ہو تو سرور کائناتؐ اس صورت حال کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت فرمائیں گے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آپ حضرات کیسے وارثان انبیاؑ اور نائب رسول ہیں کہ یہ سب کچھ ۱۲ کروڑ کے مسلم ملک کے لئے ٹھنڈے پیٹ گوارا فرما رہے ہیں اور اپنی نیابت رسول کی ذمہ داری پوری کرنے پر مطمئن بھی ہیں یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ بنگلہ دیش میں

دینی مدارس کی بہتات ہے وہاں تقریباً ۳۵ لاکھ فارغ التحصیل علماء کرام بتائے جاتے ہیں مگر علمی صورت حال یہ ہے کہ پورا ملک مغربی فکر و کلچر کی دلدادہ۔ دو خواتین کے اشاروں پر رقصاں ہے اور قرآنی فکر کے حامل ۳۵ لاکھ علماء کرام کی معاشرہ پر گرفت نہ ہونے کے برابر ہے۔ حتی کہ پوری پارلیمنٹ میں ایک سیٹ بھی ان کی نہیں۔ کیا یہ صورت حال باعث فکر و تشویش نہیں ہونی چاہیے۔ ہمارے نزدیک اس صورت حال کا اصل سبب یہی ہے کہ صدیوں سے ہمارا دینی نظام تعلیم زندگی کے اجتماعی شعبوں سے غیر متعلق ہے وہ صرف ایک شعبہ یعنی عبادت تک محدود ہو کر رہ گیا ہے ہمارے پورے دینی نصاب و کورس کا ماحصل کتاب الطہارت سے کتاب الحج تک ہے اگر زیادہ زور مارا تو کتاب النکاح و طلاق بھی بحث و تحقیق سے پڑھ لیا جبکہ حدیث فقہ کی ہر کتاب میں اجتماعی زندگی کے تمام ابواب موجود ہیں کتاب البیوع کتاب الاجارۃ کتاب المضاربہ کتاب القاضی کتاب الجہاد وغیرہ وغیرہ اسی طرح معاشرت معاملات اور سیاست کے جملہ ابواب موجود ہیں۔ مگر ہم ان ابواب سے اس طرح گزر جاتے ہیں گویا یہ سب ابواب منسوخ ہو چکے ہوں ان پر بحث و تحقیق تو درکنار ٹھیک طور پر ان کا ترجمہ بھی نہیں ہوتا وہ معمولی فروعی مسائل جنکا حاصل اولیٰ غیر اولیٰ سے زیادہ نہیں۔ ان پر کئی کئی دن بحث ہوتی ہے لیکن جو ابواب فرد اور معاشرہ اور اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں اور جن پر اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کا مدار ہے ہمارے طرز تعلیم نے انہیں عملاً معطل و منسوخ کر رکھا ہے جب تک ہمارے دینی و علمی اداروں میں یہ صورت حال برقرار رہے گی اسلام کو بحیثیت ایک نظام حیات اور جملہ انسانی مسائل کے حل کنندہ کے سمجھنے اور دنیا پر اسلام کے غلبہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اس لئے دنیا میں درحقیقت اولین غلبہ افکار و نظریات ہی کا ہوتا ہے پھر یہ فکر زندگی کے تمام شعبوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاؑ نے اصلاً اور بنیادی جدوجہد انسان کے نظریہ فکر (عقیدہ وایمان) کی تبدیلی کے لئے ہی کی آنحضرتﷺ کی حیات مبارکہ میں دس لاکھ مربع میل کے علاقہ پر دور فاروقی میں ۲۲ لاکھ مربع میل اور دور عثمانی میں ۲۴ لاکھ مربع میل پر اور دور معاویہ میں ۶۵ لاکھ مربع میل اسلام کا فکری و نظریاتی (توحید و رسالت) غلبہ قائم ہو گیا۔ اس کے بعد آپؐ کے نام لیواؤں نے تقریباً سات سو سال تک اس دور کی معلوم دنیا کے بڑے حصہ پر اسلام کا فکری و علمی غلبہ قائم رکھا اور تمام ملکی و بین الاقوامی مسائل اسلام کی عطا کردہ فکر کے تحت حل کئے۔ پھر آہستہ آہستہ ملت اسلامیہ میں فکری تنزل و ضعف شروع ہوا اس وقت مغرب میں علمی و سائنسی طور پر بیداری شروع ہوئی یہاں تک کہ سترہویں صدی عیسوی تک دنیا پر مغرب کا علمی و فکری غلبہ قائم ہو گیا اور اقوام عالم پر اس کی سیکولر فکر اثر انداز ہونے لگی اور اس نے دنیا کے ذہن و فکر پر تسلط حاصل کر لیا۔ بیسویں صدی تک پوری دنیا پر مغرب کا فکری و نظریاتی غلبہ مکمل ہو گیا۔ اب دنیا میں کوئی فکر عملی

طور پر مغرب کی فکر اور اس کے نظام حیات کو چیلنج کرنے والی نہیں رہی مغرب کے موجودہ فلسفہ حیات کی فکری بنیاد دین و سیاست کی علیحدگی پر ہے یہ فکر سراسر مادی فکر ہے جسے قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے

یعلمون ظاہر من حیوٰۃ الدنیا وھو بالآخرۃ ھم غافلون۔

یعنی سطحی و ظاہر زندگی کی رونقوں کو جانتے ہیں اور (حقیقی دنیا) آخرت سے ناواقف ہیں اس وقت پورے عالم پر مغربی افکار کے غلبہ کا یہ عالم ہے کہ اسلامی ممالک کے حکمران' دانشور اور نئی نسل اللہ اور رسول کی بجائے فکری طور پر مغرب کے بن چکے ہیں ان کا دل ودماغ' جذبات و خیالات پسند و ناپسند سب کچھ مغرب کا تابع مطلق و اسیر بن گیا ہے الجزائر' مصر تیونس' اردن ترکی' انڈونیشیا سب ہی مسلم ممالک میر مسلم عوام اور حکمرانوں میں جو کشمکش و جنگ جاری ہے وہ در حقیقت یہی فکری کشمکش یعنی اسلامی فکر او مغربی فکر کا تصادم ہے۔ بیسویں صدی میں مغرب نے اقوام متحدہ پر تسلط و غلبہ کا طریقہ کار اور تکنیک تبدیل کر لیا ہے وہ اس حقیقت کو پا گیا ہے کہ موجودہ دور جسمانی غلامی کے بجائے ذہن و فکر کو غلام بنانے کا ہے اب عسکری طور پر ملکوں اور قوموں کو فتح کر کے نو آبادیاں قائم کرنا نہایت مہنگا' مشکل اور محنت طلب کام ہے وہ اس کے بجائے ملکوں اور قوموں کو فکری نظریاتی طور پر اور اس کے نتیجہ میں معاشی و تہذیبی طور پر غلام بناتا ہے موجودہ دور میں پوری دنیا پر مغرب کا تسلط و غلبہ اصلاً تو افکار و نظریات کی راہ سے ہے پھر اس فکر کے مختلف شعبہ تمام انسانی زندگی کو محیط ہو جاتے ہیں جیسے اس فکر کے سیاسی پہلو کا نام ڈیمارکریسی معاشی و تجارتی پہلو کا فری مارکیٹ اکانومی تمدنی پہلو کا ویسٹرن سولائیزیشن یعنی مغربی نظام تمدن و کلچر ہے مغرب کی اس فکر کا لب لباب اور حاصل انسانیت کو آسمانی وحی سے ہٹا کر عقل و خواہشات کی راہ پر ڈالنا ہے ایک چینی کہاوت ہے کہ مچھلی سر کی طرف سے سڑنا شروع ہوتی ہے اسی طرح انسان کا بگاڑ دل کے بگاڑ سے شروع ہوتا ہے اور دل پر حکمرانی افکار و نظریات (عقائد) کی ہوتی ہے اس وقت کا سب سے بڑے چیلنج یہی ہے کہ مغرب پوری امت مسلمہ کے دل ودماغ جذبات و فکر پر حاوی ہو چکا ہے ہماری نئی نسل کے افکار و خیالات پر اس کا تسلط ہو چکا ہے مغرب کی اس ہمہ جہتی غلامی و تسلط سے نجات اور خلاصی کی صرف ایک راہ ہے وہ یہ کہ مغرب کو فکر و نظریات کے میدان میں شکست سے دوچار کر دیا جائے کہ اس کے افکار کی سطحیت کمزوری اور بودا پن اور اس کا انسانیت کے لئے مہلک و مضرت رساں ہونا پورے طور پر واضح کر دیا جائے اور اسلام و قرآن کے عطا کردہ نظریات و افکار کی برتری ان کا انسانیت کے لئے نفع بخش و مفید ہونا علمی و عقلی طور پر ثابت کر کے عصر حاضر کے ذرائع ابلاغ کو بروئے کار لا کر مغرب کے ہولناک مضرت رساں خود غرضانہ اور گمراہ کن سیاسی معاشی و تمدنی نظاموں اور اس کی دجالی و شیطانی فکر و سوچ کو سائنٹفک انداز میں واشگاف کیا جائے ظاہر ہے کہ یہ کام نہایت عرق ریزی سخت محنت اور محاورہ کی زبان

میں ہنٹر مارنے یا جگر کو پانی کرنے کا ہے جب تک ہم یہ اصل کام نہیں کریں گے پوری انسانیت بالخصوص ملت اسلامیہ مغرب کی ہمہ جہتی غلامی میں جکڑی رہے گی خواہ ملت کے ہر فرد کو رسمی طور پر فارغ التحصیل عالم دین بنادیں اسی طرح جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ محض جدید علوم حاصل کر کے یا سائنس و ٹیکنالوجی اور جدید اسلحہ میں خود کفالت حاصل کر کے مغرب کی بالا دستی و غلامی سے نجات و چھٹکارا مل جائے گا وہ بھی سخت غلطی پر ہیں کیونکہ اس وقت تمام جدید علوم سائنس و ٹیکنالوجی کی اساس خدا پرستی کی بجائے مادہ پرستی آخرت کے تصور کے بجائے دنیا ہی کو سب کچھ سمجھنے بالفاظ دیگر وحی کی عطا کردہ روشنی کے بجائے خواہش و نفس پرستی کی ظلمتوں پر ہے جب جدید علوم اور سائنس و ٹیکنالوجی حاصل کرنے والوں کے دل و دماغ مغربی افکار و نظریات سے مسحور ہوں گے تو مغرب کے لئے ان کو واسطہ بنا کر دینی جماعتوں اور طبقہ علماء کو کچل کر ختم کرنا اور زیادہ سہل ہوگا اس کا مظاہرہ گزشتہ نصف صدی سے عالم اسلام کے نسبتاً ترقی یافتہ ملکوں میں مسلسل ہو رہا ہے اگر بغور جائزہ لیا جائے تو ترکی کے مصطفی کمال اتاترک سے مسلم ممالک کے موجودہ حکمرانوں تک مسلمانوں کے جس ملک و قوم نے مغربی علوم و فنون میں جس قدر ترقی کی اسی کے بقدر وہاں دینی مذہبی اثرات کو ختم کرنا زیادہ آسان ثابت ہوا۔ ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جدید سائنسی و صنعتی علوم سے صرف نظر کیا جائے اور اس میں پچھڑ جانے کو برداشت کر لیا جائے بلکہ عالم اسلام کو جلد از جلد ان جدید علوم میں اپنی پسماندگی دور کرنی ہوگی مگر اس سے پہلے دل و دماغ کو مغربی افکار و نظریات کے سحر سے آزاد کرانا ہوگا ان تمام جدید علوم کی مثال ایک ہتھیار کی سی ہے ہتھیار کو استعمال بے شک ہاتھ ہی کرتے ہیں مگر ہاتھوں کو استعمال کرنے والا دل و دماغ ہوتا ہے اور دل و دماغ پر حکمرانی فکر و عقیدہ کی ہوتی ہے اس لئے موجودہ دور کا سب سے بڑا چیلنج اصلاً فکری و نظریاتی ہی ہے

جس طرح کسی درخت کے پھلنے پھولنے اور بار آور ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اسے مناسب زمین آب و ہوا اور پانی و کھاد میسر ہو اسی طرح مذہب کے لئے فکر و عقیدہ بمنزلہ زمین اور اس عقیدہ کے مطابق معاشرہ اور نظام تعلیم و تربیت اور کلچر و تمدن بمنزلہ آب و ہوا کے اور ذرائع ابلاغ بمنزلہ کھاد و پانی کے ہیں کہ آپ سمعی و بصری راستوں سے دل و دماغ کو کیا غذا فراہم کرتے ہیں اس لئے کہ اسلامی فکر و نظر' معاشرت و تمدن اور ذرائع ابلاغ کے صحیح استعمال کے بغیر اسلام کے غلبہ و سربلندی کی توقع رکھنا ایسا ہی ہے جیسے ببول کے درخت پر دعاؤں اور وعظ و تقریر سے آم لگانے کی امید کرنا مگر اسلام کے حوالے سے ہم سب اسی خود فریبی کا شکار ہیں۔